Fikr-o-Nasar (Islamabad) 7:12 (1970)

برِّ صغیر میں

قانون بابت توہینِ مذاہب کی رُوداد

شاہ محی الحق فاروقی

یہ تو نہیں معلوم کہ علیگڑھ کے زمانۂ طالب علمی میں مولانا محمد علی مرحوم مولانا شبلی نعمانی مرحوم کے باضابطہ شاگرد تھے یا نہیں لیکن اس حقیقت کا اعتراف مولانا محمد علی نے اپنی خود نوشت سوانحعمری نیز اپنے مختلف مکاتیب میں بھی کیا ہے کہ انھوں نے مولانا شبلی سے اکتساب علم کیا تھا۔ بہرحال دونوں بزرگوں کے یہاں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ دونوں اچھے شاعر اور اچھے ادیب تھے۔ دونوں اسلام کے نام پر فدا اور ملک و ملّت کی معمولی سی تکلیف پر بے چین ہو جاتے تھے۔ کانپور کی مسجد کا حادثہ اس کی ایک مثال ہے۔ کوئی غیر مسلم اسلامی نظریات و معتقدات پر اعتراض کرتا تو دونوں تیغ براں بن جاتے۔ عرب کے مشہور عیسائی مؤرخ جرجی زیدان نے التمدن الاسلامی لکھ کر اسلامی تہذیب پر چھینٹے اڑائے تو اس کا جواب کسی عرب ادیب یا مؤرخ نے نہیں بلکہ ہندوستانی عالم مولانا شبلی نعمانی نے "النقد علی التمدن الاسلامی" لکھ کر مصر کے مشہور مجلہ المنار کے ایڈیٹر جناب رشید رضا مصری کی زبان میں عالم اسلام کی جانب سے فرض کفایہ ادا کر دیا۔ اسی طرح نومبر ۱۹۱۴ء میں (جو اتفاق سے مولانا شبلی کا ماہ و سال وفات بھی ہے) جب لندن ٹائمز نے پہلی جنگ عظیم میں شرکت اور عدم شرکت کے سلسلہ میں ترکوں کے خلاف ایک نہایت اشتعال انگیز مضمون لکھا تو وہ بھی ہندوستان ہی کے مسلمان رہنما مولانا محمد علی تھے جو اس مضمون کو پڑھ کر تڑپ اٹھے اور مسلسل چالیس گھنٹے صرف چائے اور قہوہ پر گزار کر انھوں نے نہایت طویل زوردار جوابی مضمون (CHOICE OF TURKS) لکھ کر کامریڈ میں شائع کیا جس کی پاداش میں انہیں پانچ سال کی نظر بندی کے بعد رہائی نصیب ہوئی۔

مولانا محمد علی اور مولانا شبلی کی یہی مماثلت ہمیں ہندوستان کی تاریخ قانون سازی میں بھی ملتی ہے۔ ہمارے ہاں ایسے لیڈروں کی کمی نہیں جو ملک و ملّت کے مسائل پر تقریر و تحریر کے ذریعہ اپنی رائے کا اظہار کرتے رہیں،

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

صدائے احتجاج بلند کریں اور ہوسکے تو آگ بھی لگادیں لیکن عالم جوش میں ہوش سے کام لینے والے اور لگی ہوئی آگ کو نہ صرف بجھانے بلکہ آئندہ کے لئے اس کا سدّباب کر دینے والے رہنماؤں میں مولانا شبلی اور مولانا محمد علی جیسے رہنماؤں کو ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔

ہندوستان کے مسلمان فضول خرچی اور عیاشی میں اپنی جائدادیں ہندوؤں کے ہاتھ بیچ دیتے تھے۔ اس طرح غیر منقولہ جائداد مسلمانوں سے نکل کر رفتہ رفتہ ہندوؤں کے ہاتھوں میں جارہی تھیں۔ کچھ دُور اندیش مسلمانوں نے اپنی جائدادیں وقف کے ذریعہ محفوظ کرنا چاہیں تو پریوی کونسل کا فیصلہ مزاحم ہوگیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر مولانا شبلی دل ہی دل میں کڑھ رہے تھے لیکن انھوں نے یہ نہیں کیا کہ کھڑے ہوکر بیچنے والوں کو گالی اور خریدنے والوں کو بد دعا دینے لگتے یا پریوی کونسل پر طنز و تشنیع کے تیر برسانے لگتے۔ انھوں نے انتہائی تدبر کے بعد اس کا مستقل حل "وقف علی الاولاد" کو قانونی شکل دلانے میں نکالا۔ یہ قانون انھیں کی کوششوں سے اپنے آخری مراحل تک پہنچا اور (قائداعظم) محمد علی جناح نے مرکزی اسمبلی میں اسے پیش کرکے وقف ایکٹ مجریہ ۱۹۱۳ء منظور کرایا۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ اس وقت ہمارا موضوع وہ کوششیں ہیں جو اس واقعہ سے چودہ سال بعد مولانا محمد علی نے قانون فوجداری میں ترمیم کے سلسلہ میں کیں اور ان کی یہ کوشش تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹۵ میں ترمیم اور دفعہ ۲۹۵ الف کے اضافہ کی شکل میں آج بھی موجود اور نافذ العمل ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۲۷ء میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے متعلق ایک نہایت گستاخانہ کتاب پنجاب کے ایک بد زبان آریہ کے قلم سے نکلی۔ اس سے پہلے بھی شدھی سنگھٹن کے یہ پرچارک اسی قسم کی متعدد کتابیں لکھ چکے تھے جن سے برصغیر کے مسلمانوں میں بے انتہا اشتعال پھیل چکا تھا۔ بالآخر حکومتِ وقت نے اس کتاب کے مصنف پر پنجاب ہائی کورٹ میں مقدمہ چلایا۔ مقدمہ کی سماعت جسٹس دلیپ سنگھ نے کی جو مذہباً عیسائی ہونے کے باوجود نام سے ہندو یا سکھ معلوم ہوتے تھے۔ اپنے فیصلہ میں جسٹس دلیپ سنگھ نے لکھا کہ کتاب کی عبارتیں کیسی ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہوں، بہرحال یہ کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتیں بلکہ حدود قانون کے اندر ہیں۔

اس فیصلہ نے تمام اسلامی ہند میں آگ لگادی اور لوگوں نے تقریر و تحریر کے ذریعہ ہندوؤں پر، حکومت پر، عدلیہ پر اور خاص طور سے جسٹس دلیپ سنگھ پر سخت تنقیدیں کیں۔ لیکن ایک مولانا محمد علی کی ذات اس مقدمہ سے متعلق تمام ہنگامہ میں خاموش تھی۔ انھوں نے نہ اس موضوع پر تقریر کی نہ اپنے ہمدرد میں

بذریعہ تحریر اس پر اظہار خیال کیا۔ یہ وہی محمد علی تھے جو عالم اسلام کے کسی دُور دراز گوشہ میں بھی ایک مسلمان کے کانٹا چبھ جانے پر تڑپ اٹھتے تھے۔ وہی محمد علی جو سیاست میں گاندھی جی کو اپنا رہنما ماننے کے باوجود بھرے جلسہ میں اعلان کرتے تھے کہ جہاں تک عقیدہ اور ایمان کا تعلق ہے میں ایک فاسق و فاجر مسلمان کو بھی گاندھی جی پر ترجیح دیتا ہوں اب وہی محمد علی تھے جو خاموشی سے حالات کا بنظر غائر مطالعہ کر رہے تھے۔ گو ان کی یہ خاموشی بعض لوگوں کو ان کی جانب سے شک و شبہ میں مبتلا کرنے کا باعث ہوئی اور ان کے حریفوں نے کھلم کھلا ان پر ہندوؤں کی طرفداری کرتے، کانگریس سے تنخواہ پاتے اور ہندو رؤسا کے ہاتھوں بک جانے کا الزام لگانا شروع کر دیا۔

آخر کچھ دنوں کے غور و خوض کے بعد مولانا محمد علی نے ۲۷ جون ۱۹۲۷ء کے ہمدرد میں پہلی بار اس مسئلہ پر اپنی رائے دی۔ شروع شروع میں تو جوشیلے مسلمان اتنی ٹھنڈی بات سننے پر بھی آمادہ نہ ہوئے لیکن جب انھوں نے بار بار وہی بات دہرانی شروع کی تو آہستہ آہستہ لوگ اس تجویز پر غور کرنے کے لئے آمادہ ہوتے گئے۔

اس سلسلہ میں جولائی ۱۹۲۷ء کو لکھنؤ میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں ناموس رسولؐ کے دینی تقاضہ نے تمام وہابیوں، بدعتیوں، شیعوں اور سنیّوں کو صرف کلمہ گو اور صرف مسلمان کی حیثیت سے ایک پلیٹ فارم پر لا کر کھڑا کر دیا۔ اس جلسہ میں صدر جلسہ مولانا محمد علی کے پہلو بہ پہلو ایک ہی تخت پر نقیب اہل سنت النجم کے مدیر اور شیعہ کانفرنس کے سیکرٹری بیٹھے ہوئے تھے۔

جلسہ کی ابتدا مولوی ظفر الملک علوی مرحوم کی تقریر سے ہوئی۔ تقریر اتنی سخت تھی کہ مجمع جو پہلے ہی سے مشتعل تھا، بھڑک اٹھا اور چشم دید گواہوں کے بیان مطابق ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ مجمع بے قابو ہو کر قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔ اس عالم میں مولانا محمد علی کی تقریر شروع ہوئی۔ ان کی تقریر نرم و گرم، جوش و ہوش کا ایک نہایت دلچسپ اور اثر آفریں مجموعہ تھی۔ پہلے تو انھوں نے جلسہ کو خوب گرمایا اور پھر ٹھنڈا بھی خوب کیا ان کی طویل تقریر کا ایک اقتباس آپ بھی سنیئے :۔

"ایسی کتابیں اور مضامین یقیناً ہر مسلمان کا خون کھولا دینے کے لئے کافی ہیں۔ جتنا بھی جوش و خروش آپ میں پیدا ہو سب بجا ہے لیکن اصل کوشش فتنہ کے سرچشمہ کو بند کرنے کی ہونی چاہیئے نہ کہ فلاں جج کو ہٹا دینے کی۔ قصور قاضی کا نہیں، قصور خود قانون کا ہے۔ میں کوئی وکیل نہیں، بیرسٹر نہیں۔ قانون میں نے جو کچھ سیکھا ہے وہ بار بار ملزم کی حیثیت سے عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر سیکھا ہے۔ تو مجھ عامی کا پُر زور مشورہ یہی ہے کہ آئندہ سد باب فتنہ کے لئے قانون ہی کو بدلوایئے اور تعزیرات ہند میں ایک مستقل دفعہ بڑھوا کر توہین

بانیانِ مذہب کو جرم قرار دیجئے۔ اب تک یہ کوئی مستقل جرم ہی آپ کے ملکی قانون میں نہیں۔ رعایا کے فرقوں کی دل آزاری کے تحت بعض عدالتیں ایسے مجرموں کو سزا دے دیتی ہیں لیکن یہ تو حاکم کی رائے ہوئی کوئی مستقل قانون تو نہ ہوا۔ میں اسمبلی کا ممبر نہیں۔ دفعہ کا مسوّدہ میں تیار کئے دیتا ہوں، کوئی ممبر صاحب اس میں مناسب لفظی ترمیم کر کے اسے اسمبلی میں پیش کریں اور منظور کرائیں تاکہ ہمارے آقا و ہادیؐ اور ان کے ساتھ تمام دوسرے مذہبوں کے محترم بانیوں کی شخصیتیں بدزبان و بے لگام لکھنے والوں کے حملے سے محفوظ رہیں۔ علمی رنگ میں کسی مذہب پر یا تاریخی حیثیت سے کسی مذہب کے بانی پر سنجیدہ تنقید کرنا بالکل دوسری شئے ہے اس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہنا چاہیئے لیکن جو طعن و تعریض، توہین اور سبّ و شتم کسی مذہب کے بھی پیمبروں یا دوسرے بزرگانِ دین کے حق میں ہو آج سے اسے ہندوستان کے قانون میں قطعی جرم قرار دینا چاہیئے۔"

ہندوستان کے مشہور عالم مولانا عبدالماجد دریابادی کی زبان میں :۔

"یہ تقریر محمد علی کی صحیح اور تاریخی رہنمائی کی ایک مثال تھی۔ شروع شروع اقبالؒ تک اس کے مؤید نہ تھے۔ رفتہ رفتہ سارا ملک تائید کرنے لگا اور کہاں تو قوم ایک محدود اور شخصی مقصد (جسٹس کنور دلیپ سنگھ کی برطرفی) کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ کہاں اس بلند اور اصولی مقصد کو اس نے اپنا نصب العین بنا لیا۔ کامریڈ تو بند ہی ہو چکا تھا۔ اب لے دے کے ہمدرد رہی تھا جس کی اشاعت محدود تھی اور زائد ہوتی بھی کیسے۔ محمد علی کی تاکید تھی کہ "اخباری سنسنی خیزی" سے ہمدرد اپنا دامن بچائے رکھے۔ بہرحال کچھ اس کے سہارے کچھ زبانی تقریروں سے اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دے دی کہ یہی تحریک مقبول ہو گئی اور چند ہفتوں کے اندر ایک ممبر نے اسمبلی میں تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹۵ میں اضافہ کرا کے دفعہ ۲۹۵ الف کے نام سے یہ دفعہ بھی منظور کرا دی جس کے الفاظ تک اصلاً محمد علی ہی کے مرتب کئے ہوئے ہیں اور یہ دفعہ جب تک بھی ملک کے قانون میں موجود رہے گی اس کا اجر ان کے نامۂ عمل میں ثبت ہوتا رہے گا۔"

توہین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حادثہ سے پہلے قانون کی متعلقہ دفعہ (دفعہ ۲۹۵ مجموعہ تعزیراتِ ہند۔ اب مجموعہ تعزیراتِ پاکستان) حسبِ ذیل الفاظ پر مشتمل تھی :۔

"جو کوئی شخص کسی عبادت گاہ کو یا کسی ایسی چیز کو جو اشخاص کی کسی جماعت کی طرف سے مقدس سمجھی جاتی ہو، اس نیت سے برباد کرے، نقصان پہنچائے یا ناپاک کرے کہ بایں طور وہ اشخاص کی کسی جماعت کے مذہب کی تذلیل کرے یا اس علم کے ساتھ کہ اشخاص کی کسی جماعت کی مذکورہ بربادی، نقصان یا ناپاکی کو

ان کے مذہب کی تذلیل سمجھنے کا احتمال ہے تو اسے کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدّت کے لئے دی جائے گی جو دو سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔"

اس دفعہ میں ترمیمی بل (دفعہ ۲۹۵ الف) حکومتِ ہند کے ہوم ممبر آنریبل مسٹر جیمس کریرار سی، ایس، آئی، سی، آئی، ای) نے ہندوستان کی قانون ساز اسمبلی کے سامنے ۵ ستمبر ۱۹۲۷ء کو با یں الفاظ پیش کی کہ اس بل (مسوّدہ) کو حسب ذیل اراکین پر مشتمل ایک مجلس منتخبہ (SELECT COMMITTEE) کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ سات روز کے اندر اندر اپنی رپورٹ دیں۔

(۱) مسٹر سری نواسن آئنگر (۲) مسٹر نرمل چندر چندر (۳) مولوی محمد شفیع (۴) مسٹر اے رانگا سوامی آئنگر (۵) مسٹر ایم۔ اے۔ جناح (۶) مسٹر اسمٰعیل خان (۷) مسٹر عبد الحئی (۸) مسٹر آرتھر مور (۹) مسٹر اے ایچ غزنوی (۱۰) مسٹر این، سی، کیلکر (۱۱) مسٹر ایم آر۔ جائیکر (۱۲) مسٹر جے۔ کومٹین (۱۳) مسٹر کے بی۔ رائے (۱۴) سر عبد القیوم (۱۵) سر ڈینس برے (۱۶) لالہ لاجپت رائے (۱۷) ہوم ممبر

مجلس منتخبہ کا کورم نو اراکین کی موجودگی تجویز کی گئی۔ اس بل کو پیش کرتے وقت ہوم ممبر نے بل کے اغراض ومقاصد پر ایک طویل تقریر کی اور بتایا کہ ضابطہ فوجداری کے ابتدائی مسودہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اسّی سال پہلے انڈین لاء کمشنروں نے ضابطہ میں مذہب سے متعلق باب پر جو تبصرہ کیا تھا، وہی اس بل کے بارے میں بھی کیا جا سکتا ہے۔

"جس اصول پر اس باب کو قائم کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اس بات کی اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے مذہب کی پیروی کرے لیکن کسی کو اس بات کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے کہ وہ دوسرے کے مذہب کی بے عزتی کرے۔"

ہوم ممبر نے کہا کہ یہ بل بہت اہم مسائل پر مشتمل ہے۔ اس کی فوری طور پر ضرورت ایک ایسے معاملہ کی وجہ سے ہے جو ان دنوں ہندوستان کو درپیش ہے۔ ہوم ممبر نے کہا کہ پہلے میں یہ تجویز کرنا چاہتا تھا کہ یہ بل فوراً منظور کر لیا جائے لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض حلقے چاہتے ہیں کہ اس پر مکمل غور وخوض مجلس منتخبہ میں ہونا چاہیئے۔ ہوم ممبر نے مجموعہ تعزیراتِ ہند کی متعلقہ دفعات کا تجزیہ کر کے بتایا کہ مجموعہ تعزیرات ہند یا ضابطہ فوجداری کی موجودہ دفعات کا اطلاق کسی مذہب یا مذہبی جذبات کے خلاف کسی گستاخانہ تقریر یا تحریر پر نہیں ہوتا۔

اس بل پر اراکین میں سب سے پہلے مشرقی پنجاب کے مسلمان مسٹر عبدالحئی بولے۔ ابھی وہ اس بل کے پیش کرنے پر حکومت کو مبارکباد ہی دے پائے تھے کہ بمبئی کے مسٹر ڈی۔وی۔ بیلوی (غیر مسلم) نے صدر اسمبلی (آنریبل مسٹر وی۔جے۔ پٹیل) کی توجہ اپنی ایک ترمیم کی جانب مبذول کرائی جس میں انھوں نے تجویز کیا تھا کہ بل کو رائے عامہ کے لئے مشتہر کر دیا جائے۔ لیکن صدر نے ان سے اپنی باری تک صبر کرنے اور مسٹر عبدالحئی سے تقریر جاری رکھنے کے لئے کہا۔

مسٹر عبدالحئی نے افسوس ظاہر کیا کہ اس مقصد کے لئے قانون سازی کی ضرورت پیش آئی۔ انھوں نے کہا "میں یہ نہیں چاہتا کہ اس بل پر تقریر کر کے پہلے ہی سے قابل افسوس حالات کو اور بدتر کر دوں کیونکہ اس ایوان سے باہر مختلف فرقوں کے بعض رہنما حالات کو سدھارنے کی کوشش کر رہے ہیں" (ان رہنماؤں میں مولانا محمد علی یقیناً شامل ہوں گے۔) مسٹر عبدالحئی نے کہا کہ جہاں تک میرے مذہب کا تعلق ہے تو ہمارے یہاں پہلے ہی سے قرآن پاک میں یہ حکم موجود ہے کہ کوئی مسلمان کسی مذہب یا مذہبی فرقہ کے بانی کو برا بھلا نہ کہے انھوں نے کہا کہ اگر کسی مسلمان نے "انیسویں صدی کا مہارشی" (یا ایسا ہی کوئی اور پمفلٹ) لکھا ہے تو مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اس نے بڑی غیر اسلامی حرکت کی ہے۔ مسٹر عبدالحئی کی رائے تھی کہ سزا کی مجوزہ مدت بہت کم ہے۔

مسٹر ڈی۔وی۔ بیلوی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ قانون بڑا ہیجان خیز ہے اور اسے رائے عامہ کے لئے مشتہر کرنا چاہیئے۔

لالہ لاجپت رائے (جالندھر غیر مسلم) نے تقریر کرتے ہوئے مسٹر بیلوی کی رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ مجھے جب "رنگیلا رسول" کے مقدمہ میں فیصلہ کا علم ہوا تو میں نے اسی وقت کہا کہ اگرچہ فنی بنیادوں پر "رنگیلا رسول" کا مصنف بری ہو گیا ہے اور جج کا فیصلہ قانون کی نظروں میں بالکل صحیح ہے لیکن مصنف اخلاقی مجرم ہے۔ لالہ لاجپت رائے نے اپنے ایک اخباری بیان کا طویل اقتباس بھی سنایا جو ۲۹ مئی ۱۹۲۷ء کو لاہور کے ایک انگریزی اخبار پیپلز میں شائع ہوا تھا۔ اس بیان میں انھوں نے مہاشہ راجپال سے اپنی کتاب کی فروخت بند کرنے اور آریہ سماج سے اس قسم کی کتابوں کی اشاعت کی ہمت شکنی کرنے کی اپیل کی گئی تھی۔ آخر میں انھوں نے درخواست کی کہ مجلس منتخبہ میں ان کی جگہ پنڈت مدن موہن مالویہ کو رکھا جائے۔ یہ درخوست منظور ہو گئی۔

اسی دن یعنی ۵ ستمبر کو دوپہر کے ۱۲ بجے مسٹر ایم۔ اے۔ جناح (بمبئی شہر مسلم شہری) نے اپنی تقریر میں مسٹر بیلوی کی اس تجویز کی کہ بل کو رائے عامہ کے لئے مشتہر کیا جائے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اس تاخیر

سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ انھوں نے مسٹر بلیوی سے اپنی تجویز واپس لینے پر اصرار کیا۔ انھوں نے آخر میں کہا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے دوست نواب سر ذوالفقار علی خان بھی مجلس منتخبہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔" مسٹر جناح نے امید ظاہر کی کہ ہوم ممبر یہ اضافہ منظور کرلیں گے۔ ایوان نے یہ اضافہ منظور کرلیا۔

اس کے بعد جنوبی ارکاٹ بشمول چنگل پٹ (غیر مسلم دیہی) کے مسٹر ایم۔ کے اچاریہ نے ایک طویل تقریر میں ہندومت کی تعریف کی۔ ان کے اس جملہ پر قہقہہ پڑا کہ اگر ایک بھی سچا برہمن دنیا میں رہا تو دنیا محفوظ رہے گی۔ انھوں نے مسٹر بلیوی کی تائید کی۔

مدراس شہر (غیر مسلم شہری) کے مسٹر ایس۔ سری نواس آئنگر نے ایک سلجھی ہوئی تقریر میں مسٹر بلیوی سے اپنی تجویز واپس لینے کی درخواست کی۔

مولوی سید مرتضےٰ صاحب بہادر (جنوبی مدراس مسلم) نے اسلام کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ اسلام کے معنی ہی امن کے ہیں۔ ہمارے مذہب کا فلسفہ یہ ہے کہ ؎

مے خور و مصحف بسوز و آتش اندر کعبہ زن
ہرچہ خواہی کن ولیکن مردم آزاری مکن

انھوں نے کہا کہ یہ فلسفہ مجھے مسٹر اچاریہ نہیں پڑھایا ہے۔

مولوی محمد شفیع (ترہت مسلم) اور میاں محمد شاہ نواز (مغربی وسطی پنجاب) نے بھی مسٹر بلیوی سے اپنی تجویز واپس لینے کی اپیل کی۔

پنڈت مدن موہن مالویہ (حلقہ الہ آباد اور جھانسی، غیر مسلم دیہی) کی تجویز پر سر ہری سنگھ گوڑ کو بھی مجلس منتخبہ میں شامل کرلیا گیا۔

شام کی نشست میں حلقہ انبالہ (غیر مسلم) کے پنڈت ٹھاکر داس بھارگو نے سید مرتضےٰ صاحب بہادر کے پڑھے ہوئے فارسی شعر کا مذاق اڑایا اور کہا کہ میں نے آج تک کبھی ایسا کفریہ کلمہ نہیں سنا۔

متعلقہ کارروائی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف تمام کے تمام مسلمان ارکین اس بات کے حق میں تھے کہ بل کو جلد از جلد پاس کر دیا جائے تو دوسری جانب ہندو ارکین کی ایک اچھی خاصی تعداد یہ چاہتی تھی کہ بل کو مشتہر کیا جائے اور تمام صوبوں سے رائے لی جائے۔

ہندو ارکین یہ تاثر بھی دے رہے تھے کہ اس بل کی زد ہندوؤں ہی پر پڑے گی۔

بحث میں ایک مضمون کا بھی ذکر کیا گیا جو حسن نظامی صاحب کے منادی میں شائع ہوا تھا لیکن حکومت نے ان پر مقدمہ نہیں چلایا کیونکہ انھوں نے معافی مانگ لی تھی۔

یوپی کے تصدق احمد خان شیروانی نے کہا کہ چونکہ اس قانون کا مطالبہ ان کی اپنی قوم نے کیا ہے اس لئے وہ اس کی مخالفت نہیں کرتے ورنہ ذاتی طور پر وہ ایک ایسے ایوان سے جو خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتا ایسا قانون بنوانے میں بے عزتی محسوس کرتے ہیں جو ان کے پیغمبرؐ کی حفاظت کرے۔ انھوں نے بل کے الفاظ کو پسند نہیں کیا اور کہا کہ مذہب سے آگے بڑھ کر خود ایک ہی مذہب کے بہت سے فرقوں میں اختلافات موجود ہیں اور اس قانون کی زد ان پر بھی پڑ سکتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ آج ہی بحث میں گفتگو پیغمبروں سے شروع ہو کر شیواجی اور اورنگ زیب تک آگئی تھی اور ہو سکتا ہے کہ کل وہ پنجاب کے دو معزز اراکین تک پہنچ جائے۔ انھوں نے مجلس منتخبہ کے ممبروں سے اپیل کی کہ بل کے دائرہ کو ممکن حد تک محدود کر دیا جائے۔

ہوم ممبر کی آخری تقریر کے بعد ایوان کی رائے لی گئی جس نے مسٹر بیلوی کی ترمیم مسترد کر دی اور بل کا مسودہ مجلس منتخبہ کے سپرد کر دیا گیا۔

مجلس منتخبہ کی رپورٹ پر قانون ساز اسمبلی نے ۱۶ ستمبر سے ۱۹ ستمبر ۱۹۲۷ء تک غور کیا۔ بہت سے اراکین نے اس پر رائے دی۔ مسٹر بیلوی نے تجویز پیش کی کہ مجلس منتخبہ کی رپورٹ کو ۱۵ جنوری ۱۹۲۸ء تک رائے عامہ حاصل کرنے کے لئے مشتہر کر دیا جائے۔

مسٹر بیلوی نے کہا کہ ایوان کے باہر انھوں نے بہت سے لوگوں سے رائے لی ہے اور وہ ان سے متفق ہیں ان لوگوں میں ایک بہت بڑی شخصیت احمدیہ فرقہ کے سربراہ کی بھی ہے۔ وہ بھی اس بل کے الفاظ سے مطمئن نہیں ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسے رائے عامہ کے لئے مشتہر کر دیا جائے۔

راج شاہی ڈویژن کے مسٹر کبیر الدین احمد نے مسٹر بیلوی کی تردید کی اور کہا کہ "تقدس مآب" اس بل کے اصل مدعا سے متفق ہیں۔ مسٹر بیلوی نے کہا کہ میری تردید کرنے سے بہتر یہ ہے کہ "تقدس مآب" کے سیکرٹری سے جو اسی عمارت میں موجود ہیں پوچھ لیا جائے۔ لیکن اسمبلی کے صدر (آنریبل مسٹر وی جے پٹیل) نے فوراً ہی کہا کہ اراکین گیلری کے کسی تماشائی کا حوالہ کسی قیمت پر نہ دیں۔

اصل بل میں "ارادی اور کینہ ورانہ مقصد سے" کے الفاظ نہیں تھے۔ یہ اضافہ مجلس منتخبہ نے کیا تھا اس ترمیم کی تشریح کرتے ہوئے مسٹر ایم اے جناح نے کہا کہ ہمارا مقصد ایماندار کی حفاظت تھا

مسٹر جسٹس دلیپ سنگھ کی قانونی لیاقت پر بھی تنقید کی گئی۔

مسٹر شیروانی اپنی بات پر مصر رہے کہ یہ قانون غیر ضروری ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس سے مذہبی جنون میں کمی نہیں ہوگی بلکہ زیادتی ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ مجھے اپنے پیغمبرؐ کو بچانے کے لئے کسی ہندوستانی قانون کی ضرورت نہیں ہے اگر کوئی میرے رسولؐ کو رنگیلا کہے گا تو میں اس سے کہوں گا کہ اس کی شخصیت وہ ہے جس نے تئیس ۲۳ سال کے عرصہ میں ایک وحشی، جنگلی اور خوفناک قوم کو دنیا کا فاتح بنا دیا۔ اگر اس قسم کے رسول رنگیلے ہوتے ہیں تو میں خدا سے دعا کروں گا کہ وہ ہر قوم کو ایسے رنگیلے نصیب کرے۔ مسٹر شیروانی نے کہا کہ میری حیثیت ایک نمائندہ کی ہے۔ اور بدقسمتی سے میں جن سات شہروں کی نمائندگی کرتا ہوں ان میں سے چار نے اس قانون کے حق میں تجویزیں منظور کی ہیں اس لئے میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ ہم مذہبی جنونیوں کو قانون کے ذریعہ درست نہیں کر سکتے۔ ان کی سزا یہی ہے کہ یہ جہنم میں جائیں گے۔

صاحبزادہ نواب سر عبدالقیوم (شمال مغربی سرحدی صوبہ، نامزد غیر سرکاری) نے مسٹر شیروانی کی تقریر کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ یہ منبر کا ایک اچھا خطبہ ہے۔

راجہ غضنفر علی خان (شمالی پنجاب مسلم) نے ایک طویل تقریر میں امرتا نتھ دت کے اس الزام کی تردید کی کہ رنگیلا رسول کے خلاف مسلمانوں کے مظاہرے مصنوعی تھے۔ انھوں نے مسٹر شیروانی کی تقریر کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مجوزہ قانون کا مقصد پیغمبر یا پیغمبروں کی حفاظت یقیناً نہیں ہے کیونکہ وہ ان چیزوں سے بلند ہیں اس قانون کا مقصد تو ملک معظم کی رعایا کے مختلف طبقوں میں رنجش اور دشمنی کو روکنا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس قانون کی مخالفت زیادہ تر ان ارکین نے کی ہے جن کا تعلق پریس سے ہے اور میں اگرچہ پریس کی آزادی کا قائل ہوں لیکن آج کل ہمارے پریس کی جو حالت ہے اسے دیکھتے ہوئے کسی بھی فرقہ کا ہوش مند آدمی یہی کہے گا کہ خدا ہمیں پریس سے بچائے۔

بل کے مسودہ میں مختلف ترمیمات پیش کی گئیں اور ان پر بحث اور ارکین کی تقسیم (DIVISION) ہوئی۔ مذہبی رہنماؤں کی تعریف پر بھی خاصی دلچسپ بحث ہوئی اور مسٹر بی، داس نے کہا کہ :-

"بڑھا تو میر، گھٹا تو فقیر، مرا تو پیر"

بعض ہندو ممبروں نے جو اس بل کے مخالف تھے اس کا مذاق اڑانے کی کوشش کی اور ترمیم پیش کی کہ یہ بل مسلمانوں کے پیغمبرؐ سے مخصوص ہونا چاہئے۔ سر ہری سنگھ گوڑ نے اس قانون پر ایک دستوری

اعتراض یہ کیا کہ ہم ہندوستان میں انگریزی قانون کی مثال نہیں لے سکتے کیونکہ انگلستان کے قانون میں بادشاہ "حامیٔ دین" ہوتا ہے اور بادشاہ اور پارلیمنٹ کی ذمہ داری ہے کہ وہ پروٹسٹنٹ چرچ کی حفاظت کریں لیکن حکومت ہندوستان اس ملک میں امن کی محافظ ہے عقیدہ کی محافظ نہیں۔

آخرکار ایک طویل بحث کے بعد اسمبلی کے صدر نے مسودۂ قانون کو رائے شماری کے لئے ایوانِ کے سامنے پیش کر دیا اور چھبیس ۲۶ ووٹوں کی مخالفت اور اکسٹھ ۶۱ ووٹوں کی موافقت سے قانون ساز اسمبلی نے ۱۹ ستمبر کو یہ بل منظور کر کے کونسل آف اسٹیٹ بھیج دیا۔ ان چھبیس ۲۶ مخالف اراکین میں کوئی مسلمان رکن نہیں تھا۔ اس قانون کے حق میں رائے دینے والے ہندو ممبروں میں گوپال سوامی آئنگر، جی۔ ایس۔ باجپئی، سری نواس آئنگر، سر بھوپندر ناتھ مترا اور ڈاکٹر بی۔ ایس۔ مونجے نمایاں تھے۔

۲۱ ستمبر ۱۹۲۷ء کو کونسل آف اسٹیٹ کے سامنے ہوم سیکرٹری مسٹر ایچ۔ جی۔ ہیگ نے یہ مسودۂ قانون پیش کیا۔ کونسل کی صدارت آنریبل سر ہنری مانکریف اسمتھ نائٹ۔ سی۔ آئی۔ ای کر رہے تھے۔ بل پر بولنے والے مسلمان اراکین کونسل میں مسٹر محمود سہروردی (مغربی بنگال) سیّد محمد بادشاہ صاحب بہادر (مدراس) اور سر عمر حیات خان (پنجاب) اور ہندو اراکین میں سیٹھ گوبند داس (سی پی) اور پنڈت شیام بہاری مصرا قابل ذکر ہیں۔ کونسل میں بھی عام رجحان یہی تھا کہ ہندو ممبروں کی ایک معتدبہ تعداد مسودہ کی مخالفت کر رہی تھی اور مختلف ترمیموں کے ذریعہ اسے ہلکے سے ہلکا بنانا چاہتی تھی۔ بحث کے بعد مسودۂ قانون رائے شماری کے لئے پیش ہوا اور کونسل نے کثرت رائے سے اسے منظور کر لیا۔

ان تمام مراحل سے گزر کر وہ مسودۂ قانون جسے اصلاً مولانا محمد علی مرحوم نے اور قانوناً ہوم ممبر نے پیش کیا حسب ذیل الفاظ میں اب جزوِ قانون ہے اور دفعہ ۲۹۵ الف کی شکل میں مجموعۂ تعزیرات پاکستان میں موجود ہے

"جو کوئی شخص (پاکستان کے شہریوں[1]) کی کسی جماعت کے مذہبی جذبات کی بے حرمتی کرنے

---

[1] فرمان تطبیق ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۲ اور جدول کی رو سے "ملک معظم کی رعایا" کی بجائے تبدیل کیا گیا۔ (نفاذ پذیر از ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء)

کے ارادی اور کینہ ورانہ مقصد سے الفاظ کے ذریعہ خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا دکھائی دینے والے خاکوں کے ذریعہ مذکورہ جماعت کے مذہب یا مذہبی اعتقادات کی تذلیل کرے یا تذلیل کرنے کی کوشش کرے تو اسے کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لئے دی جائے گی جو دو سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔"

کتابیات

۱۔ حیات شبلی از سید سلیمان ندوی، مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ۔

۲۔ "محمد علی" حصہ اوّل از عبد الماجد دریا بادی مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ۔

۳۔ تیسری قانون ساز اسمبلی (۱۹۲۷ء) کے پہلے اجلاس کی روداد۔ جلد چہارم و پنجم مطبوعہ گورنمنٹ آف انڈیا پریس، شملہ، جنوری ۱۹۲۸ء۔

۴۔ دوسری کونسل آف اسٹیٹ (۱۹۲۷ء) کے تیسرے اجلاس کی روداد۔ جلد دوم مطبوعہ گورنمنٹ آف انڈیا پریس، شملہ، نومبر ۱۹۲۷ء۔

۵۔ مجموعہ تعزیرات پاکستان۔ ناشر مینیجر مطبوعات حکومت پاکستان۔ مطبوعہ ایجوکیشنل پریس، کراچی۔ شائع کردہ وزارت قانون و پارلیمانی امور (شعبہ قانون)